© rasailojaraid.com

ششماہی علوم القرآن، علی گڑھ ۴/۱ جنوری۔جون ۱۹۸۹ء

حکمتِ قرآن

قسط نمبر 2

حمید الدین فراہیؒ
ترجمہ: خالد مسعود

(استاذ امام مولانا حمید الدین فراہیؒ کی ایک اہم غیر مطبوعہ تصنیف حکمۃ القرآن کی دوسری قسط تدبر، لاہور کے شکریہ کے ساتھ شائع کی جارہی ہے۔ ادارہ)

حکمت اور نظمِ قرآن کا باہمی تعلق:

قرآن مجید کا نظم بے شمار پہلوؤں سے حکمت کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ لہٰذا جو شخص نظم پر غور کرے گا، لازم ہے کہ اس کی رسائی گہری حکمتوں تک ہو جائے۔ اب ہم قرآن مجید کی رہنمائی کے ایک خاص پہلو پر متنبہ کرنا چاہتے ہیں۔ وہ یہ کہ نظمِ قرآن کی تلاش بھی حکمت پر مبنی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حکمت کے دروازے سے داخل ہو کر ہی نظمِ قرآن تک رسائی حاصل ہو سکتی ہے۔ جو شخص غور کرنے کے اس انداز سے محروم ہے وہ نظمِ قرآن کو نہیں پا سکتا، بلکہ یا تو وہ اس کا انکار کر دے گا، یا اُس سے بُعد محسوس کرے گا۔ لیکن جس شخص کو یہ یقین ہو کہ قرآن ایک منظّم کتاب ہے اور وہ اِس میں نظم کا متلاشی ہو تو یہ جستجو اس کو حکمت کے دروازوں تک لے جائے گی۔ اِس طرح وہ مقصد تک رہنمائی حاصل کر سکے گا۔ یہ ایک بنیادی حقیقت ہے جس کے حق میں نصِ قرآنی موجود ہے۔

اِس امر کی تفصیل یوں ہے کہ مختلف امور کو منظم کرتے وقت ان کے بلند اصولوں کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ جب تک ایک شخص کی نظر امور کے اختلاف ہی میں اُلجھ کر رہ گئی ہو اور اس سے بالاتر نہ ہو سکی ہو تو وہ ان کو بے جوڑ اور متفرق پائے گا، لیکن جب اس کی نظر اصول تک پہنچ جائے، تو وہ مختلف امور کی ایک دوسرے کے ساتھ مناسبت کو جان جائے گا۔ اس حقیقت کی طرف رہنمائی سورہ زخرف کی آیت ۴ سے ملتی ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَاِنَّهٗ فِیْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِیٌّ حَكِيْمٌ (۴۳: ۴)

اور بیشک یہ (قرآن) اصل کتاب میں ہمارے پاس ہے نہایت بلند اور پُر حکمت۔

قرآن مجید کے بلند ہونے کی صفت اس کے حکمت سے متصف ہونے کو لازم کرتی ہے حکمت ایک طرف مختلف امور کے لیے سمائی اور احاطہ کا باعث بنتی ہے تو دوسری طرف متقابل اور منتشر امور کو ایک جامع نظام کے تحت لاتی ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان کو ترتیب دے اور ایک نظم میں بھی پرودے۔ چونکہ حکمت کا مفہوم ہی پختہ کرنا اور یقینی بنانا ہے، اس لیے جب کلام کی عمارت ہی غلط طور پر اٹھائی گئی ہو اور اس کے اجزا میں ترتیب کی خرابی پائی جائے تو یہ بات حکمت کے منافی ہے۔ اسی حقیقت کو واضح کرنے کی خاطر قرآن مجید کے لیے عزیز اور حکیم کی صفات آئی ہیں۔ اسی حقیقت پر استدلال کرتے ہوئے کبھی یوں فرمایا ہے کہ یہ کتاب ایک حکیم ذات کی جانب سے ہے مثلاً:

اِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ (فصلت ۴۱:)

بے شک یہ ایک بلند پایہ کتاب ہے، اس میں باطل نہ اس کے آگے سے داخل ہو سکتا ہے اور نہ اس کے پیچھے سے۔ یہ خدائے حکیم و حمید کی طرف سے نہایت اہتمام کے ساتھ اتاری گئی ہے۔

اس آیت میں قرآن کی مضبوطی کو تو 'عزیز' ہونے کے حوالے سے ایک نفس سے بیان کیا، جب کہ اس کی حکمت کو خدائے حکیم کی صفت کا تقاضا قرار دیا کیونکہ حکیم کبھی ایسا کلام نہیں کہتا، جس تک باطل کا ہاتھ پہنچ سکتا ہو، جب اس کی اپنی ذات میں اور اس کے بنائے ہوئے نظام میں کوئی خلل نہیں تو اس کے کلام میں کیسے نقص ہو سکتا ہے؟ اس آیت میں حمید کی صفت لا کر کلام کے حُسن کی طرف بھی توجہ دلائی ہے۔

حکمت نظمِ قرآن میں پوشیدہ ہے:

علم کی وسعت اور بلندی کے ساتھ ساتھ اگر اخلاق میں پاکیزگی اور دل میں کشادگی پیدا نہ ہو تو اس کا سبب دل کی عدم آمادگی اور خباثت ہوتی ہے۔ ہر اقدام اور رد گردانی کا اثر ظاہر ہوتا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دل جب علم کی موافقت اختیار کرنے سے روگردانی کرتا ہے تو اس کا اثر دل کی سختی میں اضافہ اور اس کی تاریکی کی صورت میں نکلتا ہے، جیسا کہ فرمایا:

فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ (الصف: ۵)	تو جب وہ کج ہو گئے تو اللہ نے ان کے دل کج کر دیئے۔
بَلْ طَبَعَ اللّٰہُ عَلَیْھَا بِکُفْرِھِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِیْلًا (النساء: ۱۵۵)	بلکہ اللہ نے ان کے کفر کے سبب ان کے دلوں پر مہر کر دی ہے۔ تو وہ کم ہی ایمان لائیں گے۔

یہ ایک واضح اور مضبوط بنیادی حقیقت ہے۔ اسی کا لحاظ رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے حکمت کو نظمِ کلام کے اندر چھپا دیا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اس کو کلام کے ظاہر میں نمایاں فرما دیتا اور پوشیدہ نہ رکھتا تو اس کا نقصان بہت شدید ہوتا، کیونکہ واقفیت حاصل ہو جانے کے بعد اعمال و اخلاق میں سے جو کچھ اختیار کرنا ضروری ہو جاتا ہے وہ بہت مشکل نظر آتا ہے۔ لہٰذا اگر حکمت ظاہر ہوتی تو خطرہ تھا کہ عام لوگ اسے قبول نہ کرتے اور اس کو جھٹلا دیتے۔ تعلیم میں جو تدبیر ملحوظ رکھی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ آسان سے مشکل کی طرف درجہ بدرجہ بڑھا جائے، چنانچہ اسی بنیاد پر شریعت کی تعلیم سُنّت کی طرف پھیر دی گئی، اور حکمت کو موقعِ کلام میں غور و تدبر کی طرف پھیر دیا گیا، تاکہ جوں جوں واقفیت بڑھے، اس کے نتیجہ میں درجہ بدرجہ عمل اور اخلاق میں بھی قدم بڑھیں، پس کسی ایسے شخص کو حکمت عطا کرنا، جس کے اخلاق پاکیزہ نہ ہوں، اور جو بلندی کی طرف جانے کی جدوجہد نہ کرتا ہو، محض حکمت کو ضائع کرنا ہی نہیں ہوتا، بلکہ یہ چیز دل کے غرور اور سختی میں اضافہ کرتی اور نتیجۃً "سستی اور ظلمت پیدا کرتی ہے۔

قرآن مجید نے مذکورہ دونوں باتوں سے ہمیں آگاہ فرما دیا ہے۔ چنانچہ اس نے بہت سی آیات میں ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور آپ کے عمل کو اپنے لیے نمونہ بنانے کی تلقین کی، اس کی ہمیں رغبت دلائی اور اس کی مخالفت سے بچنے کا حکم دیا۔ اس مقصد کے لیے اس نے ہمیں ترغیب دی ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور پسندیدہ یا ناپسندیدہ کاموں میں آپ کے طریقہ کی جستجو کریں، تاکہ ہمیں اپنی ضرورت کے امور میں احکامِ شریعت کی تفصیل معلوم ہو سکے۔ ٹھیک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی طرح قرآن مجید نے ہمیں بے شمار آیات میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق کے عجائبات میں غور کرنے کا حکم دیا، اور اس کے متعدد پہلو بیان کیے جن سے خدا کی حکمت اور رحمت کی طرف رہنمائی ملتی ہے۔ یہ اس لیے کیا گیا کہ ہم علم میں پختہ ہوں، اور اس کے نتیجے میں ہمارے ایمان، حکمت، نور اور بصیرت میں اضافہ ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح شریعت اور ظاہری احکام کی تعلیم دی، اسی طرح حکمت کی تعلیم بھی دی۔

حکمت کی پہچان کا طریقہ:

جب آپ کسی چیز کو پہچان جاتے ہیں تو پھر یہ بات آپ کے لیے مشکل نہیں رہ جاتی کہ آپ اس کے مختلف پہلوؤں، اس کے اثرات، اسباب، علامات اور اس سے ملتی جلتی ہوئی یا اس سے مختلف چیزوں کو پہچان جائیں۔ پہچان کے بعد آپ کو وہ الفاظ و مضامین بھی مل جاتے ہیں، جن سے آپ اس چیز کے ناموں، اس کی صفات، اس کے افعال اور اس سے ملتی ہوئی یا مختلف چیزوں کو تعبیر کریں۔ یہ مرکز سے اطراف پر غور کرنے کا طریقہ ہے جو نہایت واضح اور استعمال میں ہے۔

اس کے بالمقابل طریقہ یہ ہے کہ آپ اطراف سے مرکز کی طرف بڑھیں، اور ایک حقیقت کو اس کے مختلف پہلوؤں، اس کے اسباب، علامات اور لوازم وغیرہ کی روشنی میں تلاش کریں۔ ایک محقق کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ ان دونوں طریقوں کو استعمال میں لائے۔

جہاں تک حکمت کا تعلق ہے قرآن نے اس کو پہچوانے کے دونوں طریقے استعمال کیے ہیں: متعدد مقامات پر اس نے صراحت کے ساتھ یہ بتا دیا ہے کہ فلاں چیز حکمت میں سے ہے۔ اہلِ زبان نے حکمت کے مفہوم کو بھی واضح کر دیا ہے لیکن اس کے باوجود بعض اسباب کی بناء پر لوگوں نے حکمت کی پہچان میں غلطی کی ہے۔ انہوں نے اس کے نام کا اطلاق دوسرے معانی پر یا اصل معنی کے کسی جزوی پہلو پر کر دیا۔ بہت سے لوگوں کو اس کے ثمرات میں سے کچھ حصہ اور اس کی چمک دمک میں سے کوئی کرن ہاتھ لگ گئی، لیکن انہیں یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ حکمت میں سے ہے۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح ایک شخص کو نہایت عمدہ اور قیمتی موتی ہاتھ لگ جائے لیکن وہ اس کی قدر و قیمت سے بے بہرہ ہو۔ اس کی [illegible] خلعت عطا کی گئی ہو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور وہ اس کو پانے کے بعد دنیا کی زیب و زینت کی طرف متوجہ ہو گیا۔ دنیا کا حقیر اور ناپاک ہونا اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا اور وہ دنیا داروں پر رشک کرنے لگا، گویا اس کی نگاہ ان مفاسد پر نہیں پڑی جو ان دنیا داروں نے اپنے لیے سمیٹ لیے ہیں۔

ایک عارف حکیم کا طریقہ یہ نہیں، بلکہ جب وہ حکمت کے سرچشمہ پر پہنچتا ہے تو اس سے سیراب ہوتا ہے، اس کی ٹھنڈک اور لذت سے فیض یاب ہوتا ہے اور جانتا ہے کہ یہ اللہ کی نعمت ہے۔ اس کے برعکس جب وہ دنیا داروں کو دیکھتا ہے تو وہ ان کی حالت پر اسی طرح ترس کھاتا ہے جس طرح کوئی شخص کسی انسان کو مردار کھاتے یا نجاست میں آلودہ ہوتے دیکھے تو اس پر اسے ترس آتا ہے۔ پس حکیم وہ ہے جس کو سمجھ عطا ہوئی، اس نے حق کو پہچانا اور اس پر مطمئن ہو گیا، وہ باطل سے دور رہا اور اسے اپنی عزت اور پاکیزگی کا شعور حاصل رہا۔ یہی شخص صبر اور شکر کی صفات سے واقعۃً متصف ہے۔

حضرت نوحؑ و حضرت ابراہیمؑ سے لے کر حضرات موسیٰؑ و عیسیٰؑ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء اور ان کے رفقاء و اصحاب کے اخلاق کو یاد کیجیے، پھر ان لوگوں کو یاد کیجیے، جو ان کی پیروی کرتے رہے، اور خدا سے ڈرنے والے، حق کے لیے آنکھیں کھلی رکھنے والے اور کتاب و سنت کو لازم پکڑنے والے ہوئے۔ ان سب نے باقی رہنے والے خیر کو اختیار کیا اور فنا ہونے والی ادنیٰ چیزوں میں ملوث نہیں ہوئے۔ پھر ربِ کریم سے دعا کیجیے کہ وہ آپ کو نبیوں، صدیقوں، شہداء اور صالحین کے اس عالی مقام زمرہ میں جگہ عطا فرمائے۔

فطرتِ انسانی میں حکمت :

وہ اصول جو اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں ودیعت کیے ہیں، سب سے زیادہ واضح ہیں لیکن ان کی طرف بہت کم توجہ کی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک شخص اگرچہ ظلم اور تکبر کی بنا پر ان کا انکار کر دیتا ہے، تاہم جب اسے جھنجھوڑا جائے تو ان کو ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اسی لیے یہ مناسب نہیں ہوتا کہ ان اصولوں کو پہلی ہی بار صراحت سے بیان کر دیا جائے بلکہ مناسب یہ ہے کہ پہلے ان کو نمایاں کیا جائے پھر درجہ بدرجہ ان کے تقاضے بتائے جائیں۔ یہ فطری اصول نہایت گہری جڑیں رکھتے ہیں، ان کو ابھارنا، چمکانا [illegible] کے تقاضے انسان کے ذہن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے اتر جاتے ہیں۔ لہٰذا جو شخص ان پر متنبہ ہو جائے، اس کو ان کی بصیرت حاصل ہو جائے اور وہ ان کی کمین گاہ کو پالے تو اسے ان اصولوں کا یقین حاصل ہو جاتا ہے، وہ اس کی نگاہوں میں کھب جاتے ہیں، اس کا فہم ان پر مطمئن ہو جاتا ہے۔ ایسا شخص گہری حکمت کا مالک ہو جاتا ہے کیونکہ اس کے علم کو بھی پختگی حاصل ہوتی ہے اور اس کی فطرت بھی محکم ہوتی ہے، وہ اس درجہ کو اس لیے پالیتا ہے کہ اس نے ان فطری اصولوں کی پہچان کر لی اور ان سے فائدہ اٹھایا۔ کسی چیز کی معرفت کا اطلاق اس حقیقی علم پر ہوتا ہے جو نفع بخش ہو اور جو آدمی کے فہم اور ارادہ سے ایک حقیقت کے طور پر ابھرا ہو۔

وہ معارف جن کو حکمت کا نام دیا جاتا ہے بہت زیادہ نہیں ہیں بلکہ ان کی حیثیت علم کے درخت کے بیج کی سی ہے۔ اس معاملے میں حکمت دوسری ان تمام قوتوں کی مانند ہے جن سے بکثرت علوم و معارف پیدا ہوتے ہیں، مثلاً سننے، دیکھنے اور سمجھنے کی قوتیں یا ان کا ابتدائی ادراک۔ حکمت تمام بدیہی چیزوں میں سب سے زیادہ واضح ہے اور جو چیز بدیہی ہوتی ہے اس کی حیثیت جڑ اور تنے کی ہوتی ہے۔ جس طرح آپ جو کچھ دیکھتے ہیں وہ آپ کو روشنی کی بدولت نظر آتا ہے۔ لیکن آپ روشنی کو نہیں دیکھتے بلکہ ان اشیاء کے دیکھنے میں مشغول ہو جاتے ہیں جو روشنی میں دکھائی دے رہی ہوتی ہیں یا جس طرح آپ آئینے میں اپنی صورت دیکھتے ہیں تو خود آئینہ آپ کو نظر نہیں آتا جب تک خاص اہتمام سے اس کی جانب متوجہ نہ ہوں، ٹھیک یہی معاملہ حکمت کے طالب کو بھی پیش آتا ہے۔ اس کا منبع اس کی ذات کے اندر ہوتا ہے، اسے اس کی خاطر چل کر کہیں جانا نہیں پڑتا۔ لہٰذا اس کے لیے صحیح لائحہ عمل یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی ذات کی طرف رجوع کرے۔ اس کی فطرت اور اس کے عجائب پر غور کرے کیونکہ یہی حکمت وہ نور ہے جس سے وہ اس کے گرد و پیش اور اوپر اور نیچے کو دیکھے گا۔ اسی سبب کی بنا پر اگلوں نے تمام معارف میں نفس کی معرفت کو سب سے اہم اور بنیادی سمجھا۔ وہ شخص کتنا بے خبر ہے جو اپنی ذات کے احوال سے تو غافل رہے لیکن دور کی چیزوں میں مشغول رہے؟

قرآن مجید کی حکمت کے حجابات:

قرآن مجید نے اپنے فضل خاص سے حکمت کی کوئی بات بغیر بیان کیے یا واضح کیے نہیں چھوڑی اس لیے مسلمان حکمت کے متلاشی ہے اور انہوں نے کوئی ایسا گوشہ نہیں چھوڑا جہاں اس کے مواقع کا گمان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوسکتا تھا لیکن اس کے باوجود وہ حکمت جس کی قرآن حکیم نے ترغیب دی تھی، پردے ہی میں رہی، اگرچہ وہ بالکل سامنے تھی۔ یہ اس لیے ہوا کہ انہوں نے حکمت کے لفظ سے کوئی دوسری چیز مراد لے لی اور پھر اسی پر قناعت کرلی۔ اس کے باوجود وہ اس سے پورے طور پر محروم بھی نہ رہے۔ یہ ایسا ہی ہے جس طرح کمزور بینائی والا آدمی دھوپ کی جانب تو نہیں دیکھ سکتا لیکن اس کی چمک اور روشنی محسوس کرلیتا ہے اور اس طرح وہ روشنی سے بالکل بے خبر نہیں ہوتا۔ ان لوگوں کی مثال اس شخص کی تھی جس نے کوئی چیز ورثہ میں پائی لیکن اس کو پہچاننے کی نوبت نہیں آئی۔ وہ جب اس کی جستجو کرتا ہے تو ہر اس چیز پر ہاتھ رکھ دیتا ہے جس کے بارے میں اس کا گمان ہو کہ یہی وہ چیز ہے جو اس نے ورثہ میں پائی۔ رہا وہ شخص جس نے کسی دوسرے کے پاس حکمت کی صفات پہچان لیں۔ اس کی علامات اس پر واضح ہوگئیں اور اس جیسی چیز خود اس کے اپنے پاس موجود تھی تو اس پر معاملہ مشتبہ نہیں ہوسکتا۔ جب وہ اس پر آگاہ ہوتا ہے تو حکمت کو شناخت کرلیتا ہے کیونکہ اس جیسی حکمت اس کے اپنے پاس موجود ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ شخص کھوئی ہوئی متاع کو پانے والا ہوتا ہے۔ اسی لیے کہا گیا کہ "الحکمۃ ضالۃ المومن" (حکمت مومن کی گمشدہ متاع ہے)۔

مسلمانوں نے درج ذیل چند متعین علوم میں دلچسپی لی ہے۔ دیکھیے ان میں سے کس پر حکمت کا اطلاق ہوسکتا ہے:

ا۔ علوم قرآن مثلاً تفسیر و قراءت

ب۔ حدیث مع اصول حدیث و رجال

ج۔ فقہ مع اصول و فروع

د۔ کلام، عقائد و مناظرہ

ہ۔ منطق

و۔ فلسفہ اور اس کی نظری و عملی شاخیں مثلاً طبیعیات، ریاضی، طب و فلکیات۔

ز۔ معیشت کے لیے نفع بخش علوم مثلاً صنعت و حرفت وغیرہ

ح۔ سیاست و تہذیب امم

ط۔ اثری علوم، تاریخ و سیرت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ی۔ تصوف

غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ ان میں سے صنعت وحرفت سے تعلق رکھنے والوں کے سوا علم کی ہر شاخ سے تعلق رکھنے والا شخص یہ گمان رکھتا ہے کہ اس کے پاس حکمت کا ایک حصہ ہے۔ ان لوگوں کی اپنے اپنے علم میں مشغولیت ہی ان کے اور حکمت کے درمیان ایک حجاب بن گئی۔

امام شافعیؒ کے نزدیک حکمت کا مفہوم:

تمام بڑے اہل حدیث علماء کا دعویٰ یہ ہے کہ حکمت سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ اس کے لیے امام ابو عبداللہ محمد بن ادریس شافعیؒ کی تحریر سے دلیل لائی جاتی ہے جو یوں ہے۔

"اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی اور اپنے رسول کی سنت کی اتباع لوگوں پر فرض کی ہے، چنانچہ اپنی کتاب میں فرمایا ہے:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ	اور اے ہمارے رب تو ان میں انہی میں سے
يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ	ایک رسول مبعوث فرما جو ان کو تیری آیتیں
الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ	سنائے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم
أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ	دے اور ان کا تزکیہ کرے۔ بے شک تو
(البقرہ ۱۲۹)	غالب اور حکمت والا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا:

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ	یہ اللہ نے مومنین پر احسان فرمایا ہے کہ
فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُو	ان میں انہی میں سے ایک رسول مبعوث
عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ	فرمایا جو ان کو اس کی آیتیں سناتا ہے،
الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ	ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت
لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ	کی تعلیم دیتا ہے۔ بے شک یہ اس سے پہلے
(آل عمران : ۱۶۴)	کھلی ہوئی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔

نیز فرمایا:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِنْكُمْ
يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَ
يُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ
مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ
(البقرہ : ۱۵۱)

چنانچہ ہم نے تم میں ایک رسول بھیجا تم ہی میں سے جو تمہیں ہماری آیتیں پڑھ کر سناتا اور تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں ان چیزوں کی تعلیم دیتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔

یہ بھی فرمایا:

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا
مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ
كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ۝
(الجمعہ : ۲)

اسی نے اٹھایا ہے امیوں میں سے ایک رسول انہی میں سے، جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور بے شک یہ لوگ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

ایک جگہ فرمایا:

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا
أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ
يَعِظُكُمْ بِهِ
(البقرہ : ۲۳۱)

اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو یاد رکھو اور اس کتاب وحکمت کو یاد رکھو جو اس نے تمہاری نصیحت کے لیے اتاری۔

دوسرے مقام پر یوں ہے:

وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ
وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ
فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا
(النساء : ۱۱۳)

اور اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت نازل فرمائی اور تمہیں وہ چیز سکھائی جو تم نہیں جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے

یہ بھی فرمایا:

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ
آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ

اور تمہارے گھروں میں اللہ کی آیات اور حکمت کی جو تعلیم ہوتی ہے اس کا چرچا کرو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لَطِيفًا خَبِيرًاؕ (احزاب: ۳۴) بے شک اللہ باریک بیں اور خبر رکھنے والا ہے۔

ان تمام آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایک تو کتاب کا ذکر کیا۔ جس سے مراد قرآن ہے اور دوسرے حکمت کا ذکر کیا ہے۔ قرآن کے بعض عالموں کو جو میرے نزدیک پسندیدہ ہیں، میں نے یہ کہتے سنا ہے کہ حکمت سے مراد رسول اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ اس قول سے ملتا جلتا ہوا قول یہ بھی ہے کہ ان آیات میں اصلاً قرآن کا ذکر کیا گیا اور حکمت اسی کے تابع ہے (اللہ اعلم)۔ ان میں اللہ تعالیٰ نے خلق پر اپنا احسان جتایا ہے کہ اس نے ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دی۔ لہٰذا یہ جائز نہیں کہ یہاں حکمت سے رسول اللہ کی سنت کے سوا کچھ اور مراد لیا جائے (اللہ اعلم)۔ کیونکہ حکمت کا لفظ کتاب اللہ کے ساتھ آیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی اطاعت فرض قرار دی اور لوگوں پر آپؐ کے احکام کی پیروی لازم قرار دی ہے۔ پس کتاب اللہ اور سنتِ رسول کے سوا کسی قول کے بارے میں یہ کہنا جائز نہیں کہ وہ فرض ہے۔ یہ اس لیے کہ رسول اللہ پر ایمان اور اللہ پر ایمان دونوں ایک ساتھ ضروری ہیں اور رسول اللہؐ کی سنت اللہ تعالیٰ کے مراد معانی کی وضاحت کرتی ہے۔ یہ اس کے خاص اور عام مفہوم کی طرف رہنمائی دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے لفظ حکمت کو لفظ کتاب کے ساتھ جوڑا ہے اور اس کے تابع بھی کیا ہے۔ تو یہ معاملہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کے لیے نہیں کیا۔"[۱]

رسول کی اطاعت فرض ہے۔

یہ ہے امام شافعی کا کلام ان آیات کے بارے میں جن میں لفظ 'حکمت' کتاب یا آیات کے ساتھ جڑا ہوا آیا ہے۔ امام علیہ الرحمہ نے اس وضاحت میں اہل تاویل ہی کا ایک مذہب اختیار کیا ہے۔ چونکہ عام کبھی کبھی بعض خاص افراد کے لیے استعمال ہوتا ہے اور حکمت کا لفظ فہم کے معنی میں آتا ہے اس لیے امام شافعیؒ سے پہلے کے علمائے تاویل مثلاً مجاہد وغیرہ نے اس کو کتاب اللہ کے فہم کے لیے خاص کر دیا۔ امام رحمہ اللہ نے اپنے عہد میں جب یہ دیکھا کہ فہم کتاب اللہ کے بعض مدعی قرآن کی تاویل غلط عقلیات کی روشنی میں کرتے ہیں اور لوگ اسی کو حکمت گمان کر لیتے ہیں تو اس پر امام صاحبؒ نے متنبہ کیا کہ کتاب اللہ کا فہم سنتِ رسول سے حاصل ہوتا ہے اور اسی بات کو بطورِ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دلیل پیش کیا کہ سنت کتاب اللہ کی تبیین کرتی ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے سنتِ رسولؐ کے سوا کسی دوسرے شخص کے قول کی اتباع ہمارے اوپر فرض نہیں کی۔ اس نے ہم پر قرآن اور حکمت کی تعلیم کا احسان کیا۔ لہٰذا ہم خدا کے نبی کی سنت کے سوا اور کوئی چیز اس لائق نہیں پاتے کہ جس کو کتاب اللہ کے ساتھ ملا سکیں۔ امام رحمہ اللہ نے یہ تاویل جو اختیار کی تو اس میں اُن کے حسن نیت اور مسلمانوں کی خیر خواہی کے سوا کسی چیز کو دخل نہیں۔ اللہ ہماری طرف سے ان کو جزائے خیر دے۔

امام صاحب نے اس مقام کے علاوہ دوسرے تمام مواقع میں حکمت کے مشہور معنی ہی مراد لیے ہیں مثلاً وہ اسی کتاب کے خطبہ میں یوں لکھتے ہیں۔

"اللہ جل شانہٗ نے اپنی کتاب میں جو کچھ اتارا وہ سراسر رحمت اور حجت ہے۔ اس کا جاننا اصلی علم اور اس سے ناواقفیت اصل جہالت ہے۔ جو اس کو نہیں جانتا اس کا علم کچھ نہیں اور جو اس کو جانتا ہے وہ جاہل نہیں ہو سکتا۔[۲] علم کے معاملے میں لوگوں کے کئی طبقات ہیں۔ علم میں ان کا درجہ اسی قدر ہے جتنا ان کو قرآن کا علم حاصل ہے۔ پس ایک طالبِ علم کے لیے ضروری ہے کہ وہ قرآن کے علم میں اضافہ کے لیے اپنا پورا زور لگا دے اور اس کے حصول میں جو بھی رکاوٹ پیش آئے اس کا مقابلہ ثابت قدمی سے کرے۔ اس کے سمجھنے اور اس سے نتائج اخذ کرنے میں اللہ کے لیے اپنی نیت کو خالص رکھے۔ اس میں وہ اللہ ہی سے طالبِ مدد ہو کیونکہ کوئی خیر اللہ کی مدد کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ جس شخص نے نص اور دلیل کی رو سے اللہ کے احکام کا علم اس کی کتاب سے پا لیا، پھر اس کو اسی کے مطابق کہنے اور کرنے کی توفیق بھی حاصل ہو گئی تو وہ اپنے دین اور دنیا میں فضیلت کا درجہ پانے میں کامیاب ہو گیا۔[۳] شکوک و شبہات اس سے دور ہو گئے۔ اس کے دل کو حکمت نے منور کر دیا اور اس نے دین میں امامت کا مرتبہ واجب کر لیا۔ پس ہم اللہ تعالیٰ سے۔ جس نے ہمارے اوپر نعمت کی ابتدا اس وقت کی جب کہ ہم ابھی اس کے لیے استحقاق نہیں رکھتے تھے، وہ ہمیں اس سے برابر فیض یاب کر رہا ہے جب کہ ہم اس کا شکر ادا کرنے سے قاصر ہیں اور جس نے ہمیں بہترین امت بنایا جو لوگوں کے لیے برپا کی گئی۔ سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں پہلے اپنی کتاب کا پھر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا فہم عطا فرمائے اور ایسے قول و عمل کی توفیق دے جو ہم سے اس کا حق ادا کر دا دے اور ہمارے لیے مزید عطا واجب کر دے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ کلام عظیم فوائد پر مشتمل ہے اور اپنی گہرائی کی بنا پر شرح کا محتاج ہے۔ امام صاحب نے اس میں حکمت کی ایک بہت بڑی بنیاد کی طرف رہنمائی کی ہے۔ جس کے بعض نکات ہم یہاں بیان کرتے ہیں۔ ۵ ...

حکیم کا طرزِ فکر:

حکمت نفس کا کمال اور اس کا مقصود ہے۔ اس لیے یہی ابتدا اور یہی انتہا ہے۔ جن علوم سے حکمت کے حصول سے پہلے سابقہ پیش آتا ہے وہ اس کی معرفت کا ایک وسیلہ ہوتے ہیں۔ جس طرح ایک آدمی پہلے جزئیات کا علم حاصل کرتا ہے، پھر ان سے مجموعی علم اخذ کرتا ہے، اس کے بعد اس مجموعی علم کی روشنی میں جزئیات کے علم کا دوبارہ جائزہ لیتا ہے تو ان جزئیات کا غلط یا صحیح ہونا اس پر روشن ہو جاتا ہے۔ اسی طرح حکمت حاصل ہونے کے بعد آدمی جب ان علوم کا جائزہ لیتا ہے جو اس کے حصول کا ذریعہ بنے تھے تو وہ یہ دیکھتا ہے کہ ان میں کئی باتیں خلط ملط اور بہت سے مسائل الٹ پلٹ ہو گئے تھے۔ کامل معرفت اور تحقیق کے بعد ظن و تخمین پر مبنی کئی امور درست کیے جا سکتے ہیں۔ جو امور غیر واضح ہوتے ہیں وہ بھی صاف ہو جاتے ہیں۔ آدمی کو یوں لگتا ہے جیسے پچھلے لوگ ان تمام امور کو جانوروں کی نگاہ سے دیکھتے رہے تھے۔ جب ایک حکیم آیا تو اس نے پہلی مرتبہ انسان کی نظر سے ان کو دیکھا۔ دوسرے الفاظ میں اشیاء معانی و مفہوم سے اس وقت تک خالی رہیں جب تک کوئی ایسا شخص ان تک نہیں پہنچا۔ جس نے ان کو سمجھا، کھولا اور ان کی وضاحت کی۔ پس آدمی جب تک معرفت حاصل نہیں کرتا وہ ان علوم سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا جو اس کی تیاری کے لیے وضع ہوئے تھے۔ معرفت سے قبل ان سے فائدہ اٹھانا صحیح فائدہ اٹھانا نہیں ہے۔ اسی طرح ان کا علم بھی حقیقی علم نہیں ہے۔ بلکہ یہ علم بس متفرق قسم کے ادراکات اور گمراہ کن جذبات پر مشتمل ہوتا ہے۔

ایک حکیم کائنات پر نگاہ ڈالتا ہے تو اس کے تمام احوال میں اتنی پختگی اور نظم و ضبط دکھائی دیتا ہے۔ وہ سمجھ جاتا ہے کہ یہ کائنات کسی خاص مقصد کے لیے تخلیق کی گئی ہے۔ لہٰذا اس کا ایک خالق ہونا لازم ہے، جو تمام امور کو اس خاص مقصد کی طرف لے جا رہا ہے۔ پس حکیم کا یہ اندازِ فکر علم اور عمل کے درمیان پختہ تعلق پر مبنی ہوتا ہے۔ جو شخص ایک حکیم خالق پر ایمان نہیں رکھتا وہ نہیں جانتا کہ اس کائنات کے پیچھے کوئی مقصد ہے ... طبیعت میں میلانات ... اچھے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور بُرے میں امتیاز کی صلاحیتیں موجود پاتا ہے تو اسے اس بات پر اطمینان نہیں ہو پاتا کہ یہ سب چیزیں واقعی کسی مضبوط بنیاد پر قائم ہیں۔ وہ ان کو تقلیدِ آبا، یا روایت پرستی یا نفس کی مخفی اغراض کی طرف منسوب کرتا ہے اور ہر حال میں خیر اور شر کے وجود کے بارے میں بے اطمینانی کا شکار ہوتا ہے۔ اسے کسی چیز کے وجود اور عدمِ وجود کا اطمینان بھی حاصل نہیں ہوتا کیونکہ اسے اپنے مشاہدہ پر بھی یقین نہیں آتا۔ وہ فطرت کو الزام دیتا ہے۔ ایسا شخص عمل کرتا ہے تو اُسے اس کے انجام کا علم نہیں ہوتا۔ وہ اس شخص کی مانند ہوتا ہے جو ایک تاریک رات میں دیکھنے کی کوشش کر رہا ہو اس کے برعکس حکمت علم اور ارادہ کی قوتوں میں موافقت پیدا کرتی ہے جس کے نتیجے میں زندگی کے مقصد اور اس غایت کے بارے میں اطمینان پیدا ہوتا ہے جس کی طرف ساری مخلوق بڑھ رہی ہے۔ لہٰذا حکیم شخص اپنے خالق کی رضا پر راضی ہو جاتا ہے۔ جس نے ہر چیز کی تدبیر بڑی حکمت سے کی ہے، جس نے ہر مخلوق کے لیے ایک غایت اور حکمت مقرر کر رکھی ہے اور جس نے کوئی چیز بے مقصد پیدا نہیں کی۔ ایک حکیم خالق کوئی کام عبث نہیں کرتا۔ وہ دنیا کو جس طریقہ سے چلا رہا ہے اس پر ایک حکیم شخص کا راضی رہنا اس کی زندگی کا مقصد اور اس کی نطرت کا کمال ہوتا ہے۔ اس طرح وہ ایک شکر گزار، راضی برضائے الٰہی اور مطمئن نفس کا مالک بن جاتا ہے۔

حکیم کا طریقۂ تعلیم :

حکمت چونکہ واضح، تمام علوم کی نسبت نفس سے قریب تر اور عقل سے زیادہ مطابقت رکھنے والی زیادہ پھیلاؤ نہ رکھنے والی، لیکن اس کے ساتھ ساتھ پردوں میں چھپی ہوئی ہے، جس کی طرف توجہ نہیں ہونے پاتی، اس لیے اس کی تعلیم دینے والے حکماء کو اس کے معارف بیان کرنے سے کبھی دلچسپی نہیں ہوئی۔ کیونکہ یہ معارف تو لوگوں کے سامنے کھلی کتاب کی مانند تھے۔ انہیں دلچسپی اس بات سے ہوتی تھی کہ لوگوں کا رخ حکمت کی جانب پھیر دیں، ان کو غور و فکر پر آمادہ کریں اور ان کو ان تاریکیوں کے حجابات سے نکالیں جو ان کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔ اس کے لیے انھوں نے نفس کے دو افعال کا سہارا لیا۔ ایک فکر و استدلال اور دوسرا خیر و سعادت کی طرف تحریک۔ دوسرے لفظوں میں انھوں نے قوتِ فکر اور قوتِ ارادہ کو بیدار کیا۔ کیونکہ انسان قوتِ فکر ہی کے ذریعے ان نشانیوں سے استدلال کر سکتا ہے جن سے آفاق و انفس بھرے پڑے ہیں اور قوتِ ارادہ ہی کی بدولت وہ خیر و سعادت کے کاموں کو پسند کرتا ہے۔ یہ دونوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قوتیں انسان کی تمام صفات کی جامع ہیں اور نفس کی تمام حالتوں کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ حکمت کا معلم اگرچہ معارف سے لوگوں کو آگاہ کرنے میں زیادہ دلچسپی نہیں لیتا لیکن نفس کی تربیت، تنویر، تزکیہ اور تطہیر میں وہ بہت سخت گیر ہوتا ہے۔ البتہ ہر شخص کا ذہن حکمت کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ اس کی مثال یوں ہے جیسے ایک شخص ڈاکٹر کے پاس جائے، اس کی دوا کھائے اور اسے شفاء بھی حاصل ہو جائے۔ لیکن وہ بیماری کے دوبارہ حملے کی طرف سے بے خوف نہ ہو سکے۔ اس طرح کے لوگوں میں ایسے بہت سے عابد و زاہد لوگ بھی ہوتے ہیں جو حکمت سے فائدہ اٹھا رہے ہوتے ہیں لیکن وہ خود حکیم نہیں ہوتے۔ لیکن جو آدمی غور و فکر اور عمل کی صلاحیتوں کو کامل کر لیتا ہے۔ اس کو حکمت مل جاتی ہے۔ غور و فکر سے یہاں ہماری مراد منطقیانہ غور و فکر نہیں بلکہ الہامی ادراک ہے۔ اس شخص کی مثال اس آدمی کی ہے، جس نے ایک چیز چکھی، تو اس کے ذائقہ اور خوشبو کی خوبیاں اس پر روشن ہو گئیں پھر اس نے اس سے لطف اٹھایا یا سیر ہوا۔ اب اس کی نظر اس چیز کی تاثیر سے خالی نہیں ہو سکتی اور نہ اس کا درخت اپنے پھل سے محروم ہو سکتا ہے۔

تمثیلات کے ذریعے تعلیم حکمت :

حضرت مسیح علیہ السلام کا طریقہ یہ تھا کہ وہ حکمت کی تعلیم تمثیلات کے ذریعے دیتے تھے۔ جب لوگ ان کی بات نہ سمجھتے تو انہیں اس چیز کا بڑا ملال ہوتا۔ لوگوں کو جن باتوں کا محض گمان ہوتا اور وہ ان کی حقیقت کو نہ سمجھتے تو حضرت مسیح اس مسئلہ کے اشکالات ان کے سامنے رکھتے تاکہ وہ خود غور و فکر کی عادت ڈالیں۔ افلاطون کہا کرتا تھا کہ جو شخص تمثیلات کے ذریعے بات نہیں کر سکتا وہ حکیم نہیں ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام امثال کے ذریعے تعلیم دیتے۔ قدیم حکماء یہ تلقین کیا کرتے تھے کہ اپنے آپ کو پہچانو۔

قرآن مجید بھی تمثیلات کے ذریعے حقائق کو بیان کرتا ہے۔ اس کے بیان کی نمایاں خصوصیات حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ امثال کا مقصد تذکیر ہے تاکہ لوگ اپنے نفس اور اس کے اندر موجود صلاحیتوں کی طرف رجوع کریں۔ قرآن نے امثال کے بارے میں یہاں تک کہہ دیا ہے کہ :

وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ — ان کو صرف اہل علم ہی سمجھتے ہیں۔

(عنکبوت ۴۳)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۔ قرآن کا زیادہ تر استدلال نشانیوں سے ہے اور اس نے واضح کیا ہے کہ یہ استدلال وہی لوگ کر سکتے ہیں جو فہم و تدبر سے کام لیں۔

۳۔ قرآن مجید کی امثال اور نشانیاں گوناگوں پہلوؤں سے پیش کی گئی ہیں اور واضح کیا گیا ہے کہ یہ مسائل کو مختلف اطراف سے دکھانے کے لیے ہیں۔ اس طرح قرآن مجید نے نشانیوں پر غور کرنے کے طریقہ کی طرف رہنمائی بھی کر دی ہے۔[۶]

۴۔ قرآن نے علم و عمل کو دو الگ چیزیں نہیں رہنے دیا بلکہ دونوں کو باہم ملا دیا ہے اور ان دونوں پر ایک ساتھ زور دیا ہے۔

۵۔ قرآن نے حکمت کے مقام، اس کے آنے کے دروازوں اور اسباب سب کی طرف رہنمائی کی ہے۔

۶۔ نظم و ترتیب کو تفکر کا سب سے بڑا داعیہ اور غور کے مختلف پہلوؤں کا مرکزی نقطہ قرار دیا ہے۔

حواشی

[۱] الرسالہ للشافعی، باب ما نزل عاماً دلت السنة خاصة۔ بیان فرض اللہ فی کتابہ اتباع سنة نبیہ۔ مصطفی البابی طبع ۱۹۴۰۔ ص: ۷۷-۷۹۔

[۲] مراد یہ ہے کہ جو شخص کتاب اللہ سے ناواقف ہے اس کا علم میں کوئی حصہ نہیں اور جو شخص اس کا علم رکھتا ہے اس کو کسی دوسرے علم کی حاجت نہیں۔ آگے اس بات کی انھوں نے تصریح فرما دی ہے (فراہی)

[۳] دین اور دنیا میں آدمی کی کامیابی یہ ہے کہ وہ اپنے ایمان کو کامل کر لیتا ہے، اس میں وہ شک کے در آنے کا موقع نہیں دیتا۔ اسی سے اس کے دل میں ایمان کا نقطہ روشن ہو جاتا ہے تو اس کا علم و یقین اس کی نیت کی پاکیزگی اور عمل کے خلوص کا حامل بن جاتا ہے۔ یہ سارا کچھ اس کو کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فہم کے نتیجہ میں حاصل ہوتا ہے۔ جس طرح وہ ایمان کے نقطے میں سے شک کو نکال باہر کرتا ہے یہی رویہ وہ مسائل کی جزئیات میں بھی بات کا فیصلہ کرنے میں اختیار کرتا ہے۔ چنانچہ اس کے لیے حق باطل سے ممیز ہو جاتا ہے۔ (فراہی)

[۴] الرسالہ للشافعی، خطبة الکتاب، مصطفی البابی طبع ۱۹۴۰ء ص ۱۹

[۵] مصنف علیہ الرحمۃ نے یہاں بیاض چھوڑی ہے۔ شاید وہ یہاں یہ وضاحت کرنا چاہتے تھے کہ امام شافعیؒ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن مجید کو تمام علم و حکمت کی بنیاد مانتے تھے۔ ان کے نزدیک اسی کا فہم حکمت کی کلید ہے اور ایک شخص اس کے فہم میں جس قدر ترقی کرے گا۔ وہ اسی قدر حکمت سے بہرہ ور ہو سکے گا۔ نیز امام شافعیؒ کے نزدیک صحیح علم اور صحیح عمل دونوں کا جمع ہونا حکمت پیدا کرتا ہے (مترجم)

۶ یہ اشارہ ہے قرآن مجید کے معروف اسلوب "تصریفِ آیات" کی طرف۔ قرآن مجید کسی بات کو سمجھانے کے لیے کوئی ایک ہی پیرایہ استعمال نہیں کرتا۔ بلکہ بات کو مختلف پہلوؤں سے کہتا ہے۔ نشانیوں کے بھی کسی ایک ہی پہلو کی طرف توجہ مبذول نہیں کراتا۔ بلکہ ان کے مختلف پہلوؤں کو زیرِ بحث لاتا ہے۔ تاکہ قاری پر اگر ایک جگہ بات واضح نہیں ہوئی تو دوسری جگہ اس پر واضح ہو جائے۔ مولانا فراہیؒ کے نزدیک غور کرنے کا طریقہ بھی یہی ہونا چاہیے کہ آدمی دلیل کے ہر پہلو پر توجہ دے۔ (مترجم)

© rasailojaraid.com